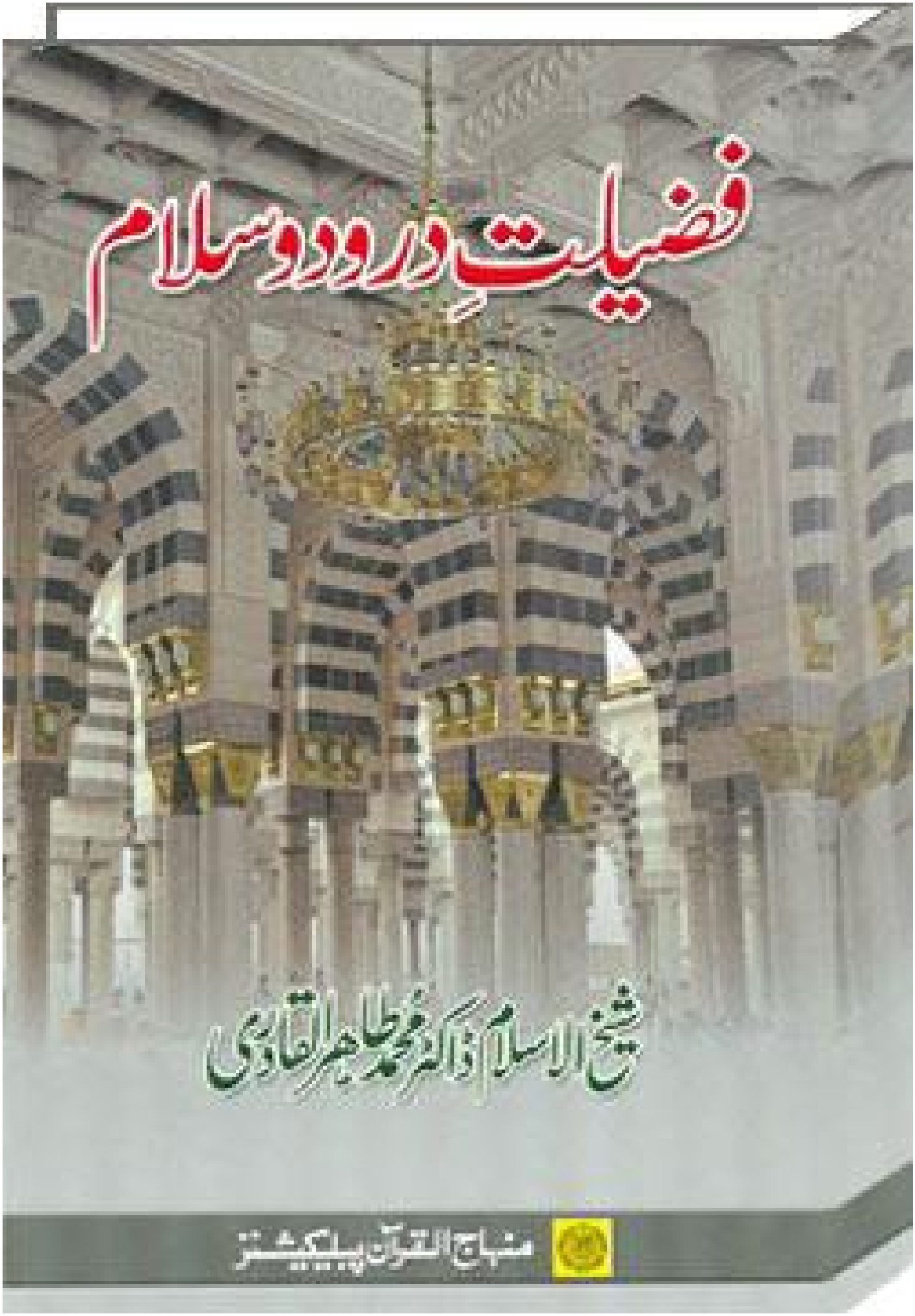
فضیلتِ درود و سلام
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
منہاج القرآن پبلیکیشنز

فضیلتِ درود و سلام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین

محمد معراج الاسلام ایم اے
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن لاہور

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحق تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	فضیلت درود وسلام	
خطبات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	
ترتیب وتدوین	:	علامہ محمد معراج الاسلام	
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملتؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ www.Research.com.pk	
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور	
اِشاعت اول تا ہفتم	:	1989ء تا 2002	(11,200)
اِشاعت ہشتم	:	اکتوبر، 2003ء	(1,100)
اِشاعت نہم	:	جولائی 2005ء	(1,100)
اِشاعت دہم	:	جولائی 2006ء	(1,100)
اِشاعت یازدہم	:	اگست 2007ء	
تعداد	:	1,100	
قیمت سنچری پیپر	:	-/40 روپے	

ISBN # 969-32-0469-7

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلیکیشنز)

sales@minhaj.biz

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفیکیشن نمبر ایس او (پی-۱) ۴-۱/۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۴، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ ای جنرل وایم ۷-۳-۹۷۰/۴ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء، شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۱۱۴۴۴-۲۴۴-۷-۱۶۱ این-۱/۱ اے ڈی (لائبریری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ / ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲ مورخہ ۲ جون ۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
(۱)	مقدمہ	۷
(۲)	سنت الٰہیہ اور حکم الٰہی میں فرق	۱۴
	جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ میں فرق	۱۵
	ملائکتہ کا مفاد	۱۸
(۳)	سنت الٰہیہ اور سنت نبوی کا باہم موازنہ	۲۰
	سنت الٰہیہ کا امتیاز	۲۱
	سنت الٰہیہ کا دوسرا امتیاز	۲۵
	ظنی القبول عبادات کو قطعی القبول بنانے کا طریقہ	۲۷
	اطاعت و محبت کا تقابل	۲۸
(۴)	آیہ صلوٰۃ کا تجزیاتی مطالعہ	۳۲
	صلوٰۃ کے دیگر معانی	۳۵
	" دعا	〃
	" استغفار	۳۶
	" رحمت، برکت، قرات	۳۷-۳۸
	" اشاعتِ ذکر جمیل	۳۹
	مذکورہ معانی کی روشنی میں آیہ صلوٰۃ کا مفہوم	۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

درود و سلام ایک منفرد اور بے مثل عبادت، شاندار و مقبول عمل اور قرب خداوندی و قرب نبوی ﷺ کا بہترین ذریعہ ہے۔ مقبول ترین اور فوری اثرات و نتائج کے حامل اعمال میں اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس مقبولیت و اہمیت کی ایک خاص وجہ ہے جس کے پس پردہ ایک خاص حکمت کار فرما ہے۔ ہم پہلے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ پھر متعلقہ آیت کریمہ کے خاص خاص علمی و معنوی پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے اور اس عمل کی انفرادیت کا راز کھولیں گے تاکہ اس کی امتیازی شان کا پتہ چل جائے اور امت اس عمل کو حرز جاں بنا کر حریم نبوی ﷺ تک رسائی حاصل کر لے اور اس جان جاناں کا وہ قرب پالے جو حاصل زیست اور متاع گراں بہا ہے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

تعلق کی اہمیت

تعلق اور رابطہ ایسی چیز ہے جو مور بے مایا کو بام ثریا تک پہنچا دیتا ہے اور ایسا عروج عطا کرتا ہے جو بے تعلق اور بے نسبت لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا، خواہ وہ وقت کے افلاطون اور زمانے کے جالینوس ہی ہوں، ان کا مقام و مرتبہ تسلیم شدہ اور سماجی

حیثیت بہت بلند ہو۔ ایک حقیر و ناتواں اور بے حیثیت انسان محض تعلق کی بنا پر ایسا قرب پا لیتا ہے اور بادشاہ سے وہ کچھ منوا لیتا ہے کہ بڑے بڑے فنکار اور علم و معرفت کے دعویدار منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور جسے وہ سماج اور معاشرے کا ایک بے وقوف فرد سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس فارمولا کو حجام کی ایک مثال سے با آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

وہ خدمت گار کی حیثیت سے ہر ہفتے بادشاہ کے دربار میں آتا ہے۔ اس کا خط بناتا ہے' ناخن تراشتا ہے' کنگھی پٹی کرتا اور اسے سنوارتا ہے' ہر ہفتے بادشاہ اس کا انتظار کرتا ہے اور جب وہ آجاتا ہے تو اپنا جسم اس کے سپرد کر دیتا ہے۔

ایک موقعہ پر حجام وقت پر نہیں پہنچتا' بادشاہ اس کا منتظر ہے مگر وہ نہیں آرہا خاصی تاخیر کے بعد وہ باریاب ہوتا ہے۔ بادشاہ پوچھتا ہے اتنی دیر کیوں کی؟ غم نصیب' پریشان حال حجام کی طرف سے جواب ملتا ہے "ایک بے رحم غاصب نے میرا مسکن چھین لیا ہے' مجھے بے دخل کر کے سر راہ بٹھا دیا ہے' اب میرے اہل و عیال کھلے آسمان تلے پڑے ہوئے ہیں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اس غاصب کا سامنا کر سکوں اس لئے پریشان و حیران ہوں اور باعث تاخیر بھی یہی ہے" بادشاہ فوراً اپنے کارندوں اور متعلقہ اہل کاروں کو حکم دیتا ہے کہ ابھی جا کر اس غاصب شخص کا محاسبہ کرو' اس مسکین کا مسکن واپس دلاؤ اور اسے وہاں آباد کرو' جس نے اسے بے وجہ ستایا ہے' اسے فوراً قرار واقعی سزا دو۔

اس مثال میں سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ حجام ان پڑھ' غریب' سادہ لوح اور بے حیثیت تھا' سماج میں اسے کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ پھر اسے یہ پذیرائی کیوں نصیب ہوئی؟ جبکہ معاشرے کے دیگر با اثر افراد کو حصول مراد کے لئے ضابطے کی کاروائی پوری کرنی پڑتی ہے' عدالتوں کے چکر لگانے پڑتے ہیں' تب جا کر کہیں بات بنتی ہے۔

اس کا ایک ہی جواب ہے کہ حجام کا بادشاہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور یہ تعلق خدمت کے حوالے سے قائم ہوا تھا۔ وہ ہر ہفتے اس کی خدمت کرنے' اسے بنانے

سنوار نے آتا تھا' اس لئے اس نے اس کا کام فوراً کر دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ خدمت ایک ایسی مؤثر حقیقت ہے جو گہرا ربط و تعلق قائم کر دیتی ہے اور ایک معمولی شخص کو بھی قرب شاہ عطا کر دیتی ہے جبکہ سماجی مقام و مرتبے کے لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور اتنا کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔

ایک اور مثال

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عصری دانش گاہوں میں مروجہ علوم سے نا آشنا تھے' انہوں نے کسی مکتب میں ٹیکنالوجی' سائنس' انجنیئرنگ اور الیکٹرانکس وغیرہ کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی' نہ ہی مکالمات افلاطون' حکمت و فلسفہ کے دقیق مسائل' طبیعات و ریاضیات کے فارمولے' علوم بلاغت' حدیث و تفسیر کے اصول اور علوم صرف و نحو پڑھے تھے۔ وہ ان تمام ظاہری صنائع سے مبرا اور علمی تکلفات سے پاک تھے اور غزالی و رازی کی سی تنقیحات اور موشگافیوں سے آگاہ نہیں تھے۔ اس کے برعکس جو لوگ ان کے بعد پیدا ہوئے وہ فقہ و نحو کے امام اور بلاغت و منطق کے اساتین تھے' جنہوں نے اپنے تبحر علمی کے سکے بٹھائے' جودت طبع' علم و فن اور بے مثل ذہانت کے جوہر دکھائے' ایسے حضرات بھی تھے جو علمی فضل و کمال کے علاوہ تصوف اور روحانیت کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے' غوثیت اور قطبیت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے' جن کا اسم گرامی سنتے ہی آج بھی آنکھیں عقیدت سے جھک جاتی ہیں مگر اس امامت و سیادت اور تبحر کے باوجود ان میں کوئی بھی اس قرب و حضور اور مقام و مرتبے کو حاصل نہیں کر سکا جو بلال حبشی رضی اللہ عنہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا یا دیہات کے باشندے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عطا کیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ کو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق حاصل ہو گیا وہ بعد والوں کو نہ ہو سکا۔ انہوں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ کر ان کے خوشبودار سانسوں کی گرمی محسوس کی' چہرہ انور کی تنویروں کا مشاہدہ کیا' وضو کرایا' ساتھ چلے' خدمت کی۔ یہ وہ

اعزاز ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خصوصی تعلق عطا کردیا' بعد والے ساری کائنات کی دولت صرف کرکے بھی یہ اعزاز حاصل نہیں کرسکتے۔

ثابت ہوا کہ تعلق جو قرب' مقام اور مرتبہ عطا کرتا ہے وہ کسی اور جہت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

قلبی اور عقلی تعلق

تعلق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تعلق وہ ہے جو دلائل وشواہد کے زور پر علم کے حوالے سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلے انسان دلائل وبراہین اور قرائن وشواہد کے ذریعے کسی چیز کا علم حاصل کرتا ہے پھر اس کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اسے معرفت عقلی کہتے ہیں۔ اس معرفت اور شناخت کے حوالے سے جو تعلق قائم ہوتا ہے اسے تعلق عقلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس قسم کے تعلق اور معرفت کی خامی یہ ہے کہ محبوب کے دل میں اعتماد پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی کو اونچے مرتبے پر فائز کرسکتا ہے۔

دوسرا تعلق وہ ہوتا ہے جو دل کی راہ سے حاصل ہوتا ہے اور محبوب کے لئے سب کچھ قربان کردینے پر آمادہ کرتا ہے اور رضائے حبیب کے لئے خدمات وقربانی اور فدائیت کی ایسی راہیں سجاتا ہے کہ عاشق کی خدمت ووارفتگی کے انداز دیکھ کر دنیا والے حیران رہ جاتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی عشق یہ ہے۔ اسے معرفت یا تعلق قلبی کہتے ہیں۔

اس قسم کے تعلق کی خوبی یہ ہے کہ یہ محبوب کے دل میں اعتماد پیدا کردیتا ہے اور بڑے بڑے مقام ومنصب کے لوگوں پر ایسی برتری بخشتا ہے کہ دوسرے اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہی قلبی تعلق حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد غوث' قطب' امام' متکلم' فلسفی' عالم' عارف اور عظیم ترین لوگ پیدا ہوئے مگر کوئی بھی صحابی کے برابر نہیں ہو سکا۔

اعتماد کی ایک شاندار مثال

قلبی تعلق سے جو اعتماد پیدا ہوتا ہے مندرجہ ذیل مثال اس کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔ حجام کے پاس جو ہتھیار ہوتے ہیں ان میں سب سے تیز' کاٹ دار اور مہلک' استرا ہوتا ہے جو ذرا سا چھو جائے تو خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انسان کی بے حد حساس اور نازک ترین جگہ شہ رگ ہے۔ جس پر اس کی زندگی کا دار ومدار ہوتا ہے۔ مگر اعتماد کی بات ہے کہ انسان بڑی بے تکلفی سے کسی قسم کی جھجک کے بغیر اپنی شہ رگ حجام کے حوالے کر دیتا ہے جو بڑی بے تکلفی سے اپنا تیز ترین ہتھیار یعنی استرا اس پر چلاتا ہے مگر خط بنوانے والے کو کوئی تشویش لاحق نہیں ہوتی' بلکہ کسی خطرے کا خیال تک نہیں آتا۔ وہ کرسی پر ٹیک لگائے اور آنکھیں بند کئے بیٹھا رہتا ہے اور حجام اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ یہ سب اعتماد کی بات ہے۔

اعتماد وتوکل کی یہ مقدار اگر انسان کو خدا کے بارے میں حاصل ہو جائے تو حقیقت یہ ہے کہ مصائب و آلام کی تند و تیز آندھیاں اور تلواریں بھی چل رہی ہوں تو اس کے پائے ثبات میں تزلزل پیدا نہ ہو اور غم و فکر کی پرچھائیاں اس کے قریب بھی نہ بھٹکیں اور وہ اس منصب پر پہنچ جائے جو ولایت کا خاصہ ہے اور جس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس منصب کے لوگ غم روزگار اور فکر فردا سے آزاد ہوتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ○
(یونس' ۱۰:۶۲)

خبردار! بے شک اللہ کے اولیاء کو کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

تعلق قلبی اور اعتماد حاصل کرنے کا طریقہ

تعلق قلبی اور اعتماد کی یہ شاندار مقدار حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ امتی خود کو محبوب کریم ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دے۔ ان ہی کا ہو جائے اور ہر وقت ان کی چاکری کرتا رہے۔ جبکہ نوکری' خدمت اور ان کے لئے وقف ہونے کا بہترین ذریعہ درود و سلام ہے۔ یہ ایسی نوکری ہے جس کی کوئی مثال نہیں' حقیر

ترین انسان کو بھی دیکھتے ہی دیکھتے بزم حبیب ﷺ کا درخشندہ ستارہ اور قابل تکریم ساتھی بنا دیتی ہے۔ ایک خاص پس منظر میں اس کی حکمت سمجھی جا سکتی ہے جو رہ و رسم دنیا سے متعلق ہے۔

رہ و رسم دنیا

رہ و رسم دنیا یہ ہے کہ تعلق کا آغاز سلام و کلام سے کیا جاتا ہے۔ جس سے قطعی جان پہچان نہ ہو اور رابطہ پیدا کرنا مقصود ہو تو پہلے سلام ہی کرتے ہیں۔ سلام نیاز میں اتنی قوت ہے کہ نخوت و تکبر کے پیکر بھی اس کی قوت کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں اور غیر شعوری طور پر اس کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔

فرض کریں ایک شخص بڑا ہی مغرور، گردن کش، رعونت پسند اور متکبر ہے، کسی کی طرف نگاہ التفات سے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ وہ اپنی شاندار گاڑی پر ایک غریب چھابڑی فروش کے قریب سے گزرتا ہے۔ وہ غریب از راہ اخلاق اسے سلام کرتا ہے۔ مگر وہ کبر و غرور کا مجسمہ اس کا سلام قبول نہیں کرتا اور تکبر سے منہ دوسری طرف پھیر لیتا ہے۔ دوسرے دن وہ پھر اس کے قریب سے گزرتا ہے۔ اتفاقاً کسی وجہ سے اس کی گاڑی آہستہ ہو جاتی ہے، وہ چھابڑی فروش پھر اسے سلام کرتا ہے مگر حقارت سے وہ، یہ پیش کش بھی ٹھکرا دیتا ہے۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ وہ غریب آدمی اپنی تحقیر نظر انداز کر کے بڑی پامردی سے سلام کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ بالآخر سلام کا تسلسل جاری رکھنے کا نتیجہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے وہ دیکھتا نہیں تھا پھر اس نے دیکھنا شروع کر دیا، پھر سر ہلا کر جواب دینے لگا، پھر لبوں کو بھی جنبش ہونے لگی اور آخر کار اس میں مسکراہٹ کا عنصر بھی شامل ہو گیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسے چھابڑی فروش سے انس پیدا ہو گیا اور اب وہ باقاعدہ متوجہ ہو کر اس کے سلام کا جواب دینے لگا۔ یہ تعلق ایسا مستحکم ہوا کہ ایک دن اس نے دیکھا کہ چھابڑی والا اپنی جگہ موجود نہیں ہے تو اس نے گاڑی کھڑی کر کے قریبی شخص سے پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آیا؟ اس نے جواب دیا وہ بیمار ہے۔ تو وہ رئیس اس چھابڑی فروش کے گھر پہنچا اور اس کی تیمارداری کی۔

تحقیر و سرد مہری سے شروع ہو کر یہ تعلق اس مرحلہ تک کیسے پہنچا؟

سوچیں تو پتہ چلے گا محض سلام کی وجہ سے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلام سے بات شروع ہوتی ہے اور پھر مستحکم اور مضبوط قلبی رشتے میں بدل جاتی ہے۔

اسی طرح ایک غریب و مسکین امتی جب ہدیہ درود و سلام کے نذرانے سے اپنے تعلق کا آغاز کرتا ہے اور پھر استقلال کے ساتھ جاری رکھتا ہے تو محبوب کریم ﷺ کی طرف سے بتدریج پذیرائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ پہلے متوجہ ہوتے ہیں، نظر کرم فرماتے ہیں، پھر مسکرا کر دیکھتے ہیں اور سلام کے منتظر رہتے ہیں، سلام نہ پہنچے تو فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کا درود و سلام کیوں نہیں پہنچا؟ اگر وہ جواب دیں کہ فلاں بیمار ہے تو خود اس پر کرم فرماتے ہیں، خواب میں تشریف لا کر قلب حزیں کو قرار و سکون عطا کرتے ہیں اور جمالِ مظہر حق کے دیدار سے نوازتے ہیں۔ ایسا بارہا ہوا اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ وہ تو شاہ دین اور پیکر رحمت ہیں، کیونکر ممکن ہے کہ اپنے عاشق کو نظر انداز کر دیں اور اس کے سلام نیاز، عقیدت و محبت اور پیار و تعلق کا جواب اظہار خوشنودی و مروت اور حسن نظر کے ساتھ نہ دیں جبکہ رسم دنیا ہے کہ سلام کے جواب میں دنیا والے بھی نوازتے ہیں۔

درود و سلام کی اہمیت واضح ہو جانے کے بعد اب ہم اس کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے کے لئے آیہ صلوٰۃ کے الفاظ و مضامین اور معانی کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان مضامین کو کس زاویے، کس انداز اور حسن اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر گوشہ منور ہو جائے اور درود و سلام کی اہمیت و عظمت واضح ہو جانے سے دلوں میں اس عمل خاص کو اپنانے کا داعیہ پیدا ہو جائے اور ہر امتی کے لبوں پر درود و سلام ہی کا ترانہ ہو۔

ہم اپنی بات کا آغاز اس حقیقت کے اظہار سے کرتے ہیں کہ درود و سلام سنت الٰہیہ ہے اور کوئی عمل ایسا نہیں جسے اتنا بڑا شرف حاصل ہو۔

سنت الٰہیہ اور حکم الٰہیہ میں فرق

جتنی عبادات ہیں وہ سب حکم الٰہی کے تحت انجام پاتی ہیں عبادات و طاعات کے پیچھے حکم الٰہی کار فرما ہوتا ہے جو بندوں کو کسی عمل کا مکلف بنا دیتا ہے اور خدا کے بندوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس حکم خداوندی کی رو سے اپنی اطاعت کا مظاہرہ کریں اور مطلوبہ عمل کو عدم سے وجود میں لائیں۔

ہر دور، ہر زمانے میں حکم خداوندی ہی کو یہ آقائی اور بالاتر حیثیت حاصل رہی ہے لیکن یہ بھی ایک قطعی حقیقت ہے کہ یہ خداوندی احکام، مختلف ادوار و ازمنہ اور الگ الگ امتوں کے حوالے سے بدلتے بھی رہے ہیں اور تغیر و تبدل کا یہ عمل بعض اوقات تضاد کی حدوں کو بھی چھوتا رہا ہے۔ یعنی ایک عمل اگر کسی امت میں ایک حکم کی رو سے جائز و حلال ہوتا تھا تو وہی عمل کسی اور امت اور زمانے میں ایک دوسرے حکم کی رو سے ناجائز و حرام ہوتا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم خداوندی ایک ایسی چیز ہے جس میں تبدل ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام مختلف زمانوں اور مختلف قوموں کے لئے الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔

حکم الٰہی کے برعکس سنت الٰہیہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر دور میں یکساں اور ایک ہی ہیئت میں قائم و دائم رہتی ہے اور زمانوں یا امتوں کے بدلنے سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ گویا سنت الٰہیہ، ایک اٹل حقیقت اور دائمی قانون ہے جو گردش دوراں سے آزاد اور ہر قسم کے اثرات و تغیرات سے محفوظ ایک ہی ہیئت پر قائم رہنے والا ہے جو کسی پہلو سے تغیر پذیر اور زوال آشنا نہیں۔ اسے قرآن پاک نے یوں بیان فرمایا ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○ (فاطر، ۳۵:۴۳)

اور تو ہرگز اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔

حکم اور سنت کے تقابلی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ماحول' ضرورت اور زمانے کے بدلنے سے حکم میں تو تبدیلی آجاتی ہے مگر سنت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور اسے ہمیشہ ایک ابدی' دائمی اور آفاقی قانون کا درجہ حاصل رہتا ہے جو ہر دور میں ایک ہی شکل میں قائم اور برقرار رہتا ہے۔

حکم الٰہیہ اور سنت الٰہیہ کا فرق معلوم کر لینے کے بعد اب آپ اس آیت صلوٰۃ پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہی نہیں بلکہ اس کی سنت بھی ہے۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی' اس لئے فرمایا گیا "اے مومنو! تم بھی اسی سنت پر عمل کرو اور ذوق وشوق کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ ودرود بھیجو اور دل کی گہرائیوں سے اس حکم کی تعمیل میں مصروف رہو' کیونکہ کسی تبدیلی اور نسخ وترمیم کے بغیر یہ حکم تمام زمانوں کے لئے ہے اور آئندہ بھی اس طرح قائم ودائم اور برقرار رہے گا۔

حضور نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کے عمل کا سنت الٰہیہ ہونا جہاں شان مصطفوی ﷺ کی بے مثلیت کی نمائندگی کرتا ہے وہاں اس عمل خاص' کی فضیلت بھی حسین پیرائے میں اجاگر کرتا ہے کہ یہ وہ مقدس عمل ہے جو ہمیشہ کے لئے زوال وانحطاط اور تغیر وتبدل کے اثرات سے محفوظ ہے۔ کیونکہ یہ سنت الٰہیہ ہے اور سنت الٰہیہ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اس لئے نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے میں تسلسل موجود ہے جس طرح قدرت کی طرف سے پہلے یہ عمل جاری رہا ہے آئندہ بھی جاری رہے گا۔ لہٰذا ہر زماں ومکاں کے مومنوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی تردد کے بغیر سنت الٰہیہ کی پیروی کریں اور نسخ وترمیم کے خدشات سے بالاتر ہو کر اپنے رسول کریم ﷺ پر درود وسلام کے پھول نچھاور کرتے رہیں۔

جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کا فرق

آیت درود کا اسلوب خاص بڑا ہی معنی خیز اور حکمت افروز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(الاحزاب، ۳۳:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوٰۃ پڑھو اور سلام بھیجو جیسا سلام بھیجنے کا حق ہے۔

علم النحو کی روشنی میں اس آیت کریمہ کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے، جملہ فعلیہ نہیں۔ اگر دونوں جملوں کی نحوی تعریفات کی روشنی میں ان کا تقابلی جائزہ لیا جائے اور دونوں کے خصائص و امتیازات کا پتہ چل جائے تو اس آیت کریمہ کی معنوی خوبی اور اسلوب کی حکمت بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے، اس لئے ہم پہلے جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کا فرق واضح کرتے ہیں۔

جملہ فعلیہ

جملہ فعلیہ مقرون بالزمان یعنی کسی نہ کسی زمانے کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ جب اس کا اطلاق کیا جائے تو ساتھ ہی کوئی نہ کوئی زمانہ بھی مفہوم ہوتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ جملہ فعلیہ ہو اور کوئی زمانہ اس سے مفہوم نہ ہوتا ہو۔ زمانے تین ہیں جو گزر گیا وہ ماضی ہے، جو موجود ہے وہ حال ہے اور جو ابھی آئے گا وہ مستقبل ہے۔ فعل کی دلالت ان تینوں زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانے پر ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً عربی زبان میں فعل مضارع، حال اور مستقبل دو زمانوں پر دلالت کرتا ہے۔ زمانہ ماضی اس کے معنوی دائرے سے خارج ہوتا ہے اور اگر فعل ماضی ہو تو وہ صرف زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے۔ زمانہ حال اور مستقبل اس کے معنوی دائرے سے باہر ہوتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ فعل خواہ کسی شکل میں ہو کوئی نہ کوئی زمانہ ضرور اس کے حیطۂ اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ اور اس کی دلالت اس زمانہ خاص پر نہیں ہوتی۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ زمانہ ایک عارضی شے ہے، ابدی اور مستقل نہیں کہ ہر فعل اس کے مفہوم و معنی کے دائرے میں آجائے۔ فرض کریں اگر فعل ماضی تھا تو وہ گزر گیا، اب

موجود نہیں، اور اگر وہ حال و مستقبل ہے تو اب ہے اور مستقبل میں ہو گا لیکن ماضی میں نہ تھا۔ گویا فعل یا گزر جاتا ہے یا بعد میں آتا ہے اسے دوام و ثبوت اور قرار حاصل نہیں ہوتا۔

جملہ اسمیہ

جملہ فعلیہ کے برعکس جملہ اسمیہ کسی زمانے کے ساتھ مختص و مقرون نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام زمانوں پر حاوی ہوتا ہے اور زمانہ ماضی اور حال و مستقبل کے ساتھ اس کا تعلق یکساں طور پر قائم ہوتا ہے۔ فعل کی طرح اس میں حدوث و عروض بھی نہیں ہوتا بلکہ اس میں دوام و ثبوت کی شان کار فرما ہوتی ہے۔ اس لئے جب عارضی شان والا فعل بھی اس میں استعمال ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ کا جزو بنتا ہے تو اس کے اندر بھی شان دوام پیدا ہو جاتی ہے اور اسم کے ساتھ مل کر تینوں زمانوں کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ کوئی سا زمانہ اس سے مراد لیا جاسکے۔ اس کے عارضی اور ناپائیدار ہونے کا عمل ختم ہو جاتا ہے اور پائیدار کے ساتھ مل کر وہ خود بھی پائیدار و ابدی اور ہر زمانے کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ گویا جملہ اسمیہ ایک مؤثر عامل ہے جو فعل کے نقصان اور عارضی پن کو اپنے جوہر کے اثر سے فنا کر دیتا ہے۔ جملہ اسمیہ کا یہی وہ خاصہ ہے جس کے لئے قدرت نے درود و سلام کا حکم دیتے وقت اسے اختیار فرمایا ہے اور بندوں کو مخاطب کر کے کہا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا	بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر صلوۃ بھیجتے ہیں تو اے ایماندارو! تم بھی ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔

جملہ اسمیہ کے ذریعے اس حقیقت کبریٰ کو بیان کر کے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ لوگو! قدرت خداوندی سے کئی افعال صادر ہوتے ہیں مثلاً کوئی فعل زمانہ ماضی میں سرزد ہوا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ کوئی اب صادر ہو رہا ہے پہلے اس کی

ضرورت نہ تھی اور کوئی فعل کل صادر ہوگا آج تک اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وہ فعل جو نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام سے متعلق ہے وہ جب سے زمانہ بنا ہے' اللہ تعالیٰ اس وقت سے اپنے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیج رہا ہے اور جب تک زمانہ رہے گا تب تک صلوٰۃ بھیجتا رہے گا۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر صلوٰۃ بھیجنا نہ فقط زمانہ ماضی کے ساتھ خاص تھا' نہ فقط زمانہ حال کے ساتھ خاص ہے اور نہ فقط مستقبل کے ساتھ خاص ہوگا بلکہ یہ وہ فعل ہے جو وقت کی پہلی اکائی سے شروع ہے اور آخری اکائی کے بعد تک جاری رہے گا۔ یہ ہمیشہ قائم رہا ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس میں کبھی بھی انقطاع نہیں آیا اور نہ آئے گا۔

مَلَائِکَتَہٗ کا مفاد

اس آیت کریمہ میں کلمہ ملائکتہ ذکر فرمایا گیا ہے جو خود جمع ہے اور "ہ" ضمیر کی طرف مضاف ہے جو اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے معنی میں عمومیّت واستغراق پیدا ہوگیا ہے۔ معنی یہ ہے کہ فرشتوں کی کوئی مختصر سی یا خاص جماعت درود وسلام میں مصروف نہیں ہے بلکہ تمام فرشتے اجتماعی صورت میں اس کام پر لگے ہوئے ہیں اور درود وسلام پڑھنے میں مصروف ہیں۔ یہ نہیں کہ درود کے لئے کچھ فرشتے مختص ہوں اور باقی دیگر کاموں میں لگے ہوں۔

اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے محبوب کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیج ہی رہا ہے اور ہمیشہ بھیجتا رہے گا لیکن اس نے مقام حبیب ﷺ سے آگاہی بخشنے کے لئے تمام فرشتوں کو بھی اسی کام پر مامور کر رکھا ہے اور وہ صبح وشام درود وسلام میں مشغول ومنہمک رہتے ہیں۔

اہل علم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ فرشتوں کے مختلف گروہ ہیں اور ان کی عبادات بھی بانٹی ہوئی ہیں کچھ فرشتے ایسے ہیں جو فقط "اللہ اکبر" کا ورد کرتے رہتے ہیں' کسی کی زبان پر "سبحان اللہ" کی تسبیح جاری ہے' کچھ ایسے ہیں جو صرف تحمید وتہلیل ہی سے سروکار رکھتے ہیں۔ اسی طرح کچھ قیام کی حالت میں عبادت کرتے ہیں

اور کچھ رکوع کی حالت میں رہتے ہیں اور کچھ اپنا سر ہمیشہ زمین پر رکھے سجدے ہی کی حالت میں رہتے ہیں۔ غرض ان کی عبادات اور حالتیں مختلف ہیں۔ جو ایک خاص عبادت میں مصروف ہے اور کسی مخصوص ہیئت پر ہے اسے اجازت نہیں کہ کوئی دوسری عبادت کرے یا اپنی ہیئت اور حالت بدل لے لیکن عبادت و مخصوص ہیئات کے بالکل برعکس درود و سلام کے معاملہ میں یہ پابندی بالکل نہیں ہے۔ جو تسبیح و تہلیل اور حمد و ثنا کرنے والے ہیں' وہ بھی درود و سلام پڑھتے ہیں۔ گویا دیگر عبادات کے لئے تو ان میں تخصیص اور گروہ بندی ہے لیکن درود و سلام کے باب میں کوئی تخصیص نہیں بلکہ عمومیت ہے اور قدرت نے ہر قسم کی عبادت کرنے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ درود و سلام ضرور پڑھیں۔

یہ سارا نکتہ **ملائکتہ** کے کلمہ ہی سے مستفاد ہوتا ہے جو جمع کا صیغہ ہے اور اپنی جگہ بڑا ہی معنی خیز' دلکشا اور حقیقت افروز ہے۔

سنت الٰہیہ اور سنت نبوی ﷺ کا باہم موازنہ

سنت خداوندی اور سنت نبوی ﷺ کی درجہ بندی اور ان کا موازنہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ واضح مثالوں سے ان کا مفہوم اور ایک مفصل خاکہ ذہن نشین کر لیا جائے تاکہ بات سمجھنے میں دقت نہ ہو اور اٹھایا جانے والا نکتہ اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ دل میں اتر جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم جتنی عبادت کرتے ہیں یا جو فرائض و اعمال بجا لاتے ہیں مثلاً نماز پڑھتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں' حج کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یا صدقات و خیرات سے کسی کی دعائیں لیتے اور کسی کے دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں' ان میں سے کوئی عمل اور کام بھی سنت الٰہیہ نہیں بلکہ صرف اس کا حکم ہے اور اس کے حکم ہی کے ذریعے بندوں پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ روزہ رکھتا ہے' نہ حج کرتا ہے' نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ ہی زکوٰۃ دیتا ہے' وہ ان اعمال کی بجا آوری سے پاک اور منزہ ہے' خالق اور معبود ہونے کی نسبت سے اس کی شان ایسے کام کرنے سے کہیں بلند ہے اس لئے ان میں سے کوئی کام اور عمل اس کی سنت نہیں۔ بلکہ یہ سب اعمال حضور نبی کریم ﷺ کی سنت ہیں۔ آقا علیہ السلام نے خدا کے حکم سے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور دیگر اعمال صالحہ جیسے سب فرائض انجام دیئے' اس لئے یہ سب کام آپ ﷺ کی سنت ٹھہرے۔ آج اگر کوئی شخص بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر نماز ادا کرتا ہے یا فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتا ہے یا رمضان المبارک کے روزے رکھتا ہے یا اپنے مال سے زکوٰۃ دیتا ہے یا کوئی اور صالح عمل کرتا ہے تو وہ ان امور و معاملات اور اعمال و عبادات میں صرف حضور ﷺ کی سنت مبارکہ پر عمل کرتا ہے سنت الٰہیہ پر نہیں۔

جب یہ بات واضح ہو گئی تو اب ایک قدم اور آگے بڑھ کر جان لینا چاہیے کہ سنت الٰہیہ سے اللہ تعالیٰ کا فعل مراد ہے اور سنت نبوی ﷺ سے حضور نبی کریم ﷺ کا فعل مراد ہے اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ

○ اللہ تعالیٰ کی شان سب سے بلند ہے اس لئے اس کا فعل اور سنت بھی درجہ اور مقام و مرتبہ میں سب سے بلند اور افضل ہے۔ کوئی سنت، کوئی طریقہ اور کوئی فعل اس کی برابری اور ہمسری نہیں کر سکتا۔

○ حضور نبی کریم ﷺ کا مقام و مرتبہ، اللہ کا بندہ، اس کی مخلوق اور اس کا رسول ہونے کے ناطے، مقام الوہیت کے بعد ہے کیونکہ کوئی بندہ خالق کے برابر نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ کتنا ہی عالی پایہ اور مکرم و والا شان ہو۔ اس لئے آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا فعل بھی سنت الٰہیہ اور فعل خداوندی کے برابر نہیں بلکہ درجہ میں اس سے کم ہے۔

اس موازنہ اور تشریح کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا سنت الٰہیہ ہے اس لئے درجۂ محبوبیت میں سب سے افضل، قرب و حضور کا باعث اور حریم قدس میں پہنچنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ دیگر اعمال احکام خداوندی کے ذریعے فرض ہونے کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتے ہیں اور ان کے مقام و مرتبے سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سنت الٰہیہ ہونے کی نسبت سے صلوٰۃ و سلام کو جو اہمیت و فضیلت حاصل ہے اس کی شان ہی کچھ اور ہے اور یہ نرالی شان کسی اور عمل کو حاصل نہیں۔ صلوٰۃ و سلام ہی وہ واحد عمل ہے جو سنت الٰہیہ ہونے کے ناطے تمام اعمال میں ممتاز و نمایاں ہے اور سب سے منفرد و بے مثل حیثیت رکھتا ہے۔

سنت الٰہیہ کا امتیاز

موضوع سخن یہ نکتہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام سنت خالق ہے جبکہ دیگر اعمال و فرائض سنت مخلوق ہیں اس لئے من وجہ اسے تفوّق و افضلیت حاصل ہے۔

اب ایک اور جہت سے خالق و مخلوق کی سنت کا فرق واضح کرتے ہیں تاکہ ایک اور زاویئے سے بھی سنت الٰہیہ کے امتیازات سامنے آجائیں اور اس حوالے سے

صلوٰۃ وسلام کی اہمیت مزید آشکار ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ صلوٰۃ وسلام کی کون کون سی جہتیں دیگر عبادات سے ممتاز' نمایاں اور انفرادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ سب جانتے ہیں کہ اللہ پاک کی ذات **وحدہٗ لاشریک** ہے کوئی اس کا ساتھی' ہمسر اور مدّ مقابل نہیں' اس کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی غیر متناہی ہیں۔ ان کی کوئی حد' نقطہ انتہا اور اختتام نہیں' وہ ہر قسم کی حد بندی اور تقلید سے منزہ اور پاک ہیں' اس کی سنت کی بھی یہی شان ہے۔ (بعد میں اس بات کی مزید وضاحت کی جائے گی)

۲۔ خالق کی ذات وصفات کے برعکس مخلوق کی ذات وصفات محدود ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے اور اپنے فضل سے اپنے بندوں کو نوازا ہے اس لئے ان میں تقیید بھی ہے اور حد بندی بھی۔

اسی طرح مخلوق کی سنت میں بھی یہی وصف کار فرما ہے۔ مثالوں سے اس حقیقت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے مثلاً ارکان اسلام حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہیں۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ ایسی عبادات ہیں جو سرکار ﷺ نے ادا فرمائیں اور نمونہ دکھا کر امت کو ان کی ادائیگی کا سلیقہ بخشا اور طریقہ سمجھایا۔ اس لئے یہ سب عبادات آپ ﷺ کی سنت ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی لے لیں اس میں شان **تقیید** موجود ہے جو واضح کرتی ہے کہ یہ سنت نبی ہے' سنت خالق نہیں' چنانچہ ان میں سے ہر سنت مقیّد بالزماں بھی ہے اور مقید بالہیئت بھی۔

(ا) نماز مقید بالزماں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں وقت کی پابندی ہے۔ اسے وقت سے آگے پیچھے کر کے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ وقت کے ساتھ ہی فرض ہوتی ہے اور وقت نکل جائے تو قضا کرنا پڑتی ہے۔ اگر کوئی شخص عشاء کے وقت فجر کی نماز ادا کرنا چاہے تو نہیں ادا کر سکتا کیونکہ ابھی وقت نہیں ہوا اور اگر عشاء کی نماز دوسرے دن ادا کرنا چاہے تو ادا نہیں کر سکتا کیونکہ وقت نکل چکا ہے' اس صورت میں قضا کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی غروب آفتاب سے پہلے نمازِ مغرب پڑھنا چاہے تو ممکن نہیں کیونکہ ابھی وقت نہیں ہوا اور غروب آفتاب کے بعد نماز عصر ادا کرنا چاہے تو ممکن

نہیں کیونکہ وقت نکل چکا ہے' اب قضا کرے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز مقید بالوقت ہے آزاد و بے قید نہیں۔

اسی طرح نماز مقید بالہیئت بھی ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ اسے اسی شکل وصورت میں ادا کیا جائے جس شکل وصورت اور انداز میں اسے حضور نبی اکرم ﷺ نے ادا فرمایا جو شخص قیام وقعود' رکوع و سجود' انداز وترتیب اور حرکات وسکنات کو ملحوظ رکھے اور ان کی پابندی کرے' اسی ہیئت وصورت میں اسے ادا کرے گا تو اس کی نماز ادا ہوگی وگرنہ نہیں۔ کسی ایک رکن کا ترک یا ترتیب ارکان کی تبدیلی' اس کی نماز باطل کردے گی اور وہ قبول نہیں ہوگی۔

(ب) روزہ بھی مقید بالوقت ہے اس کے لئے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب کا وقت مقرر ہے اس درمیانی عرصہ میں روزہ دار کے لئے ضروری ہے کہ وہ کھانے' پینے اور ممنوعاتِ شرعیہ سے بچا رہے۔ اگر اس نے ان اوقات کی پابندی نہ کی اور طلوع فجر کے بعد کچھ کھا کر روزہ رکھنے کی کوشش کی تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ یونہی غروب آفتاب ہوگیا اور اس نے دانستہ کچھ نہ کھایا اور یہ کہا کہ کوئی بات نہیں تو اس کا روزہ مکروہ ہو جائے گا۔ اس طرح روزہ مقید بالہیئت بھی ہے یعنی روزے کے لئے جو ہیئت وحالت مقرر ہے اس کی پابندی ضروری ہے۔ اگر روزہ رکھ کر کھانے پینے سے تو رکا رہا لیکن خود کو باقی ممنوعات سے بچنے کا پابند نہ بنایا اور دانستہ کوئی نازیبا حرکت کر دی تو روزہ نہیں ہوگا۔

(ج) حج میں بھی وقت وہیئت کی پابندی موجود ہے۔ ایام حج سے آگے پیچھے یہ فریضہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح عرفات کے سوا کسی اور میدان میں یہ انجام نہیں پاسکتا۔

یہ تمام مثالیں اس حقیقت کی غماز وشاہد ہیں کہ جو اعمال حضور اکرم ﷺ کی سنت ہیں ان میں وقت وہیئت کی پابندی ضروری ہے کیونکہ یہ مخلوق کی سنت ہیں لیکن صلوٰۃ وسلام چونکہ سنت خالق ہے اور وہ ہیئت وحد بندی اور وقت و تقید سے پاک ہے اس لئے اس خالق نے اپنی سنت میں بھی تمام حدود وقیود اور پابندیوں کو اٹھالیا اور فرمایا اے

میرے بندو! جو میری عبادت اور میرے نبی ﷺ کی سنت تھی اس کو تو میں نے حدوں کے اندر رکھا ہے اور جو میری سنت اور میرا فعل ہے اس کو حدوں سے ماوراء کر دیا ہے۔ لہٰذا میرے نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے معاملے میں تم آزاد ہو۔ بیٹھ کر پڑھو یا کھڑے ہو کر تمہارے لئے کوئی پابندی نہیں۔ اسی طرح زبان وہیئت ووقت کی بھی کوئی قید نہیں' پنجابی' اردو' انگریزی' ہندی' عربی' فارسی' غرضیکہ جس زبان میں چاہو درود پڑھ سکتے ہو' نماز کی طرح عربی زبان ضروری نہیں۔ یونہی نظم ونثر' کسی عبادت سے پہلے یا بعد میں' بلند آواز سے یا دھیمے لہجے میں' الگ الگ یا اجتماعی صورت میں' امام بوصیریؒ کی دعایا امام احمد رضاؒ کی لے میں' غرض جس لہجے اور انداز میں بھی پڑھو تمہیں اجازت ہے۔ کسی نوع' وقت یا آگے پیچھے کی پابندی نہیں کیونکہ یہ میری سنت ہے اور میری سنت ہر پابندی سے آزاد ہے اور پاک ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلوٰۃ وسلام سنت الٰہیہ ہونے کے حوالے سے مطلق اور غیر مقید ہے اس لئے وقت وہیئت یا قیام وقعود کی کوئی پابندی نہیں۔ اس لئے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس سنت الٰہیہ کو اپنی رائے سے مقید بالزمان یا مقید بالہیئت کرے اور بیٹھ کر پڑھنا تو جائز سمجھے لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا ناجائز تصور کرے' اگر کوئی یہ قدغن لگا رہا ہے تو وہ سنت الٰہیہ کو مقید اور پابند کر رہا ہے اور خود کو ایک شریعت کا بانی قرار دے رہا ہے جس کا بہرحال اسے کوئی حق نہیں۔ اس لئے کسی فرد یا امت کی کسی ہیئت حاکمہ کو کسی بھی حیثیت سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ درود وسلام کو کسی خاص ہیئت' مخصوص شکل وصورت یا کسی خاص وقت کے ساتھ مقید کرنے کی کوشش کرے ایسی جرأت' شریعت اور اس کے ربانی قوانین کو اپنے ہاتھ میں لینے اور غیر مقید کو مقید کرنے کے مترادف ہوگی' جو ناقابل برداشت اور ناقابل معافی جرم' ظلم عظیم اور سنگین گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنے اور چیلنج کرنے کے مترادف ہے جس کا ایک بندے کے پاس کوئی جواز نہیں۔

سنت الٰہیہ کا دوسرا امتیاز

ایک انسان اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ کرنے کے لئے جو نیک اعمال کرتا ہے یا عبادات کی شکل میں احکام خداوندی بجالاتا ہے اور جوش و جذبے کے ساتھ بھلے کاموں میں سرگرم عمل رہتا ہے وہ اعمال و افعال خواہ کتنی نیک نیتی' خلوص و اتقاء اور للّٰہیت کے جذبے سے سرشار ہو کر کئے گئے ہوں' پھر بھی انسان اس کے بارے میں وثوق و یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو گئے ہیں اور اسے لازمی طور پر ان کا اجر ملے گا۔ کیونکہ وہ ایک کمزور و ناتواں مخلوق ہے' آداب بندگی ملحوظ رکھنے میں اس سے سہو بھی ہو جاتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہاں کوتاہی یا کمی ہو گئی ہے اس لئے وہ یقین سے دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے اعمال بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو گئے ہیں۔ قبولیت کی بات صرف رجاء اور امید کی حد تک رہتی ہے۔ اس لئے انسان کے تمام اعمال خواہ وہ صدقات و خیرات کی شکل میں ہوں یا نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ جیسی عبادات کی صورت میں' ظنی القبول (INDEFINITE) ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ امید ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں باریابی پائیں گے اور مقبول ہو جائیں گے۔

صلوٰۃ و سلام ایک ایسا محبوب و مقبول عمل ہے جو کسی صورت میں اور کسی مرحلے پر بھی مردود اور ظنی القبول نہیں بلکہ قطعی القبول ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مقبول ہوتا ہے حتی کہ اگر پڑھنے والا فاسق و فاجر گنہگار اور معصیت میں لت پت ہو پھر بھی اس کا یہ عمل رد (REJECT) نہیں کیا جاتا اور جب وہ درود و سلام پڑھتا ہے تو قبول کر لیا جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک نامناسب اور نالائق شخص سے بھی صلوٰۃ و سلام قبول کرنے میں کیا حکمت ہے؟ جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے بہت سے معانی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

رحمتیں بھیجنا' قرب عطا کرنا' ذکر بلند کرنا اور برکت دینا۔

اب اگر ان معانی پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے ان میں سے کوئی ایک نعمت بھی ایسی نہیں جو حضور ﷺ کو پہلے سے حاصل نہ ہو اللہ کی رحمتیں ہر آن ان پر نازل ہوتی رہتی ہیں یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور اس کے ختم ہونے کا بھی کوئی امکان نہیں۔ رہی قرب خاص کی بات' تو اس کا اندازہ اس قرب سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے محبوب کو معراج کی شب عطا کیا۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى "دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا"۔ ایک شب کے قرب کا یہ عالم ہے تو جو قرب آپ ﷺ کو مسلسل عطا کیا جا رہا ہے اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ ذکر کی بلندی اور رفعت کا بھی یہی عالم ہے۔ خدا نے حضور اکرم ﷺ کو رفعت ذکر کی وہ شان عطا کی جس کا کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جیسے فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ محبوب! ہم نے آپ کا ذکر آپ کیلئے بلند کیا۔

غرضیکہ صلوٰۃ کے جتنے معانی ہیں وہ حضور ﷺ کو پہلے ہی حاصل ہیں۔ اس لئے ایک بندہ جب بارگاہ رب العزت میں عرض گزار ہوتا ہے کہ بارالٰہ! اپنے حبیب ﷺ پر صلوٰۃ بھیج تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اے بندے! میں تو پہلے ہی سے صلوٰۃ بھیج رہا ہوں' برکت دے رہا ہوں' ذکر بلند کر رہا ہوں اور قرب خاص عطا کر رہا ہوں۔ تیرے کہنے کی ضرورت نہیں اس پر پہلے ہی سے عمل ہو رہا ہے چونکہ تو نے اپنے لئے کچھ نہیں مانگا' مال و اولاد کے لئے' بیماری وغیرہ سے شفا کے لئے دعا نہیں کی' اپنی کسی اور غرض کو بیچ میں نہیں ڈالا بلکہ صرف محبوب ﷺ کے لئے صلوٰۃ و سلام کی بات کی ہے اور ان پر درود بھیجنے کی درخواست کی ہے اس لئے تیری دعا قبول ہے"

چونکہ دعا سے پہلے ہی اس پر عمل ہو رہا ہوتا ہے اس لئے درود پڑھنے والا خواہ گناہگار ہی ہو اس کی دعا قبول کر لی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درود پاک قطعی القبول ہے اور اس کے مردود و نامنظور ہونے کا امکان ہی نہیں۔

ظنّی القبول عبادت کو قطعی القبول بنانے کا طریقہ

عبادات کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ ظنی القبول ہیں مگر چونکہ انسان باقاعدہ اہتمام' تیاری اور اپنی حیثیت کے مطابق جد وجہد کے بعد عبادت کرتا ہے جس کے لئے اسے تگ ودو بھی کرنا پڑتی ہے' وقت نکال کر اور آرام ترک کر کے ادھر آنا پڑتا ہے اور خاصی مشقت اٹھانا پڑتی ہے' اس لئے طبعی طور پر اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی ہر عبادت قبول ہو اور اس کی یہ مشقت رائیگاں نہ جائے۔ مگر اللہ کی بارگاہ بے نیاز کی بارگاہ ہے:

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ۔
(فاطر' ۳۵:۱۰)

اس (کی بارگاہ عظیم) تک وہی اعمال وافعال رسائی حاصل کرتے ہیں جن کی طہارت وپاکیزگی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہوتی ہے اور خلوص وللّٰہیت کا عنصر ان پر غالب ہوتا ہے۔

اس لئے انسان طبعی اقتضاء سے مجبور ہو کر ایسے حیلے بہانے تلاش کرتا ہے جن کی بدولت اس کے اعمال قبولیت کے درجے پر پہنچنے کے قابل ہو جائیں اور خامیوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح قبول کر لئے جائیں' رحمت خداوندی نے اس طبعی طلب کے سلسلے میں اسے بے یار ومددگار اور بے آسرا نہیں چھوڑا بلکہ اپنے لطف وکرم سے خود اسے ایک ایسا ذریعہ عطا کیا ہے' جس کی وساطت سے وہ باآسانی اپنے ظنّی القبول اعمال کو قطعی القبول بنا سکتا ہے اور وہ طریقہ انسان کو بتا دیا گیا ہے کہ وہ ہر عمل اور عبادت کے شروع اور آخر میں درود وسلام پڑھ لے۔ چونکہ درود شریف قطعی القبول عمل ہے اس لئے جب وہ بارگاہ خداوندی میں پیش ہو گا تو ضرور قبول کیا جائے گا اور رحمت رب کریم سے یہ بعید ہے کہ اس کے حضور میں اعمال کی جو طشتری پیش ہوئی ہے اس میں اس سے درود وسلام کو تو قبول کر لے اور ان کے درمیان جو اعمال ہیں انہیں

رد کردے۔ اس لئے اعمال کو قطعی القبول بنانے کا بڑا ہی مؤثر، یقینی اور حسین طریقہ ہے کہ ہر عمل کے آغاز و اختتام پر درود پڑھ لیا جائے۔

درود و سلام کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے عزیز ترین صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ کثرت کے ساتھ درود پڑھا کریں واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ ﷺ اعبادات سے فراغت کے بعد جو وقت بچتا ہے اس میں سے ایک تہائی میں درود و سلام میں صرف کرتا ہوں۔ کیا درود پاک کے لئے اتنا وقت کافی ہے؟"

حضور ﷺ نے فرمایا "ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ اور بڑھادو تو بہتر ہے"

عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! آئندہ میں آدھا وقت درود پاک پر صرف کیا کروں گا"

فرمایا "ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ اور بڑھادو تو بہتر ہے"

عرض کیا "پھر میں دو تہائی وقت اس میں صرف کیا کروں گا"

فرمایا "اس میں بھی اضافہ کردو تو بہتر ہے"

جب انہوں نے یہ فرمان رسول ﷺ سنا تو بولے "میں سارا وقت ہی صلوٰۃ و سلام میں خرچ کیا کروں گا"

فرمایا "تب اللہ بھی تیرے تمام کام سنوار دے گا اور تجھے کسی چیز کی حاجت نہیں رہے گی"

صلوٰۃ و سلام کی یہ فضیلت و اہمیت اور دیگر اعمال پر فوقیت رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل درجۂ محبت میں ہے اور باقی تمام اعمال درجہ اطاعت میں ہیں اور محبت بہر طور اطاعت پر فائق و برتر ہے۔

اطاعت و محبت کا تقابل

درود و سلام محبت کی علامت ہے جبکہ دیگر عبادات اطاعت کی نمائندگی کرتی

ہیں۔ ظاہر ہے اللہ کی بارگاہ میں مقبولیت کے لائق اطاعت بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شب و روز اور ہمہ وقت اطاعت میں منہمک رہنے والے پاکباز لوگ بھی عجز وقصور کا اعتراف کرتے ہیں اور عبادت کی بلندیوں کو چھو لینے کے بعد بھی انکسار و عجز سے یہی کہتے کہ

ما عبدناک حق عبادتک "تیری عبادت کرنے کا جو حق تھا وہ ہم سے ادا نہیں ہو سکا"

جب مقربین واکابرین کا یہ حال ہے تو عام لوگوں کی کیا حالت ہوگی؟ ہم ناتواں لوگ ہر وقت گناہوں میں مبتلا رہنے والے کیا عبادت کریں گے؟ ہم کیا اور ہماری عبادت وبندگی کیا؟ خطاؤں کا مجسمہ اور برائیوں کا پیکر ہیں۔ جو بھی عمل کرتے ہیں اس میں کوئی نہ کوئی خامی اور کوتاہی ضرور رہ جاتی ہے۔ بارگاہ خداوندی اور شان کبریائی کے لائق آداب وضوابط ملحوظ رکھنا بڑا مشکل ہے۔ اس لئے ہماری اطاعتیں ناتمام اور عبادتیں ناقص ہیں۔

محبت ایک ایسی اکسیر ہے جو اطاعت کے ناکارہ لوہے کو بھی کندن بنادیتی ہے۔ اطاعت کا درخت سوکھ گیا ہو' اس کی ٹہنیاں اور پتے خشک ہو چکے ہوں اور پھل سڑ گیا ہو لیکن اس کی محبت کی جڑ سلامت ہو تو امکان باقی رہتا ہے کہ کسی وقت وہ پھر ہرا ہو جائے گا۔ نئی ٹہنیاں اور شاخیں پھوٹ نکلیں گی اور ان پر کونپلیں لگ جائینگی اور وہ از سرنو برگ وبار سے لد جائے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر محبت کی جڑ کٹ چکی ہو اور درخت کا اس سے کوئی تعلق نہ رہا ہو تو پھر اس کا نئے سرے سے سرسبز وشاداب ہونا ناممکن ہوتا ہے' وہ سوکھتا ہی جاتا ہے تا آنکہ ایک روز خشک اور کھوکھلا ہو کر زمین پر گر جاتا ہے اور چولہے کا ایندھن بن جاتا ہے۔

اس لئے محبت ہی سب کچھ ہے' اطاعت میں کمی رہ جائے تو وہ اس کی تلافی کرسکتی ہے لیکن اگر محبت ناقص رہ جائے تو اطاعت کسی طور بھی اس کی کمی پوری نہیں کرسکتی۔ بلکہ محبت سے خالی اطاعت منافقت' ریاکاری اور دکھاوا تصور کی جاتی ہے اور

اس شخص کے منہ پر ماردی جاتی ہے جو خواہ مخواہ اطاعت کا تکلف کر رہا ہوتا ہے۔

ایک شخص بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

یارسول اللہ متٰی الساعۃ قیامت کب آئے گی؟

آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا:

ماا عددت لھا؟ تو نے اس کے لئے کیا تیار کیا ہے؟

عرض کیا:

ماا عددت لھا من کثرۃ صلاۃ ولا صیام ولکنی احب اللہ ورسولہ میں نے نماز، روزے کی شکل میں اس کے لئے کچھ زیادہ عبادات تیار نہیں کیں اتنی بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

المرء مع من احب قیامت کے دن آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔

اس واقعہ میں صاف موجود ہے کہ اس صحابی رسول رضی اللہ عنہ نے اپنے اعمال کی کمی اور کوتاہی کا اعتراف کیا اور کہا کہ اطاعت و عبادات کا توشہ میرے پاس بہت کم ہے اور اپنے طور پر سمجھا کہ کلی نجات و بخشش کا دار و مدار صرف اعمال و اطاعت پر ہے اسی لئے اطاعت کو بہت اہمیت بلکہ محبت پر فوقیت دی اور پہلے اطاعت کی کمی کا ذکر کر کے پھر کہا کہ اس کمی کے باوجود میں محبت کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوں اور میرے دل کی گہرائیوں میں خدا اور رسول بسے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس کی غلط فہمی دور فرمادی اور یہ بات واضح کردی کہ محبت ایسی چیز ہے جو اطاعت کی کمی پوری کردیتی ہے۔

اس لئے تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اس محبت کی وجہ سے ہر قسم کی خامیوں

کی تلافی ہو جائے گی اور اس محبوب تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے جس کے لیے بے قرار ہو اور سمجھتے ہو کہ اطاعت ہی اس ذات کا وصال عطا کر سکتی ہے۔

حدیث پاک میں موجود یہ جواب اور اس کی تفصیلات اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ محبت ہر روگ کا علاج ہے اور ہر خامی کا مداوا ہے' یہ نہ صرف اطاعت کی خامی کا ازالہ کرتی ہے بلکہ اس کی قبولیت اور پذیرائی کو بھی حتمی بنا دیتی ہے۔

یہاں تک بیان ہونے والی تمام تفصیلات اس مفہوم اور بعض علمی اشارات کی روشنی مین تھیں جو اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتے ہیں۔ اب ہم اس آیت میں موجود لفظ صلوٰۃ وسلام اور لفظ "نبی" کا لغوی حوالے سے بھی ایک تحقیقی جائزہ لیتے ہیں اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ جو دوست علمی تحقیق وتدقیق پسند کرتے ہیں اور تجزیاتی ذوق رکھتے ہیں ان کی ذہنی وفکری تسکین کا بھی سامان ہو اور درود وسلام کے موضوع پر یہ مطالعہ بھی ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔

آیۂ صلوٰۃ کا تجزیاتی مطالعہ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○ (الاحزاب ۳۳:۵۶)

"بے شک اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک ذات پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے ان کی بارگاہ میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں لہٰذا اے مومنو تم بھی ان پر درود بھیجو۔ اور سلام کا نذرانہ اپنی غلامانہ حیثیت کے ساتھ اور کثرت کے ساتھ پیش کرو"۔

اس آیت میں ذوق تجسس کی تسکین کے لئے دو کلمات غور طلب ہیں۔

۱۔ یُصَلُّوْنَ ۲۔ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

(۱) یصلّون

جہاں تک پہلے لفظ یصلّون کا تعلق ہے' یہ صلوٰۃ سے نکلا ہے۔ عربی لغت کی رو سے اس کا مادۂ اشتقاق "ص ل و" یا "ص ل ی" ہے۔ اس مادۂ اشتقاق کی ایک خاص خوبی یا حیرت انگیز علمی کمال یہ ہے کہ یہ مادہ اسی ترتیب کے ساتھ بلکہ بدلی ہوئی ترتیب کے ساتھ بھی کسی جگہ پایا جائے تو اس میں اجتماع وانضمام اور میل ملاپ کا معنی ضرور موجود ہوتا ہے۔ چند مثالوں سے ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

(الف) صَلیٰ ۔ اس لفظ میں اصل مادہ کے لفظ موجود ہیں اس کا معنی ہے آگ تاپنا' ہاتھ سینکنا۔ کیونکہ اس صورت میں انسان اپنا ہاتھ آگ کے قریب لے جاتا ہے اور حرارت اپنے اندر جذب کرنا چاہتا ہے اس کا معنی ساتھی ہونا بھی ہے مثلاً قرآن پاک میں ہے:

سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (اللّهب ۱۱۱ :۳) — وہ ابولہب عنقریب شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا۔

یعنی اس کا ساتھی بن جائے گا۔ دوسری جگہ ہے:

تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً (الغاشیۃ ۸۸:۴) — دوزخی لوگ گرم آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

یعنی آگ کے ساتھی بن جائیں گے۔ اس طرح گھوڑ دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والے کو مُصَلِّی کہتے ہیں کیونکہ وہ پہلے نمبر پر آنے والے کا ساتھی ہوتا ہے یعنی بالکل اس کے پیچھے اور دوسروں کے مقابلے میں اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان یا کسی بھی جاندار کے درمیانی حصے یعنی پشت کو **صَلَا** کہتے ہیں کیونکہ یہ زیریں اور بالائی حصے کو ملاتا ہے **صَلَایَہ** پتھر کی سل کو کہتے ہیں جس پر پیسنے کے لئے چیزیں جمع کی جاتی ہیں۔ **صلوات** عبادت گاہوں کو کہتے ہیں جس میں عبادت کی خاطر لوگ جمع ہوتے ہیں۔

بدلی ہوئی ترتیب کی مثالیں یہ ہیں۔

صَالَ۔ اس کا معنی ہے حملہ کرنا۔ بلی یا شیر یا کوئی بھی جانور شکار کے لئے جسم کو سکیڑ لیتا ہے اور قوت مجتمع کر کے حملہ آور ہوتا ہے۔ **مِصْوَلَۃٌ** جھاڑو کو کہتے ہیں اور کھلیان کے اردگرد بکھرے ہوئے اناج کو جمع کرنے اور ڈھیر کے قریب لانے کو **تصویل** کہتے ہیں غرض ہر صورت میں جمع وانضمام کے معنی اس میں موجود ہیں۔ اسی طرح **لَوَاصُّ** بھی اسی مادے کی بدلی ہوئی صورت ہے **لواص** فالودہ کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں شربت، کھویا، برف، نشاستہ کے لچھے اور گلاب یا روح کیوڑہ کو جمع کیا جاتا ہے۔ شہد کو بھی **لَوَاصُّ** ہی کہتے ہیں کیونکہ اسے بھی چھتے میں جمع کیا جاتا ہے۔ **وصل** اس مادے کی آخری ممکنہ صورت ہے جس کا معنی ہے کسی کے پاس پہنچ کر اس سے ملنا۔ **وصیلہ** اس اونٹنی یا بکری کو کہتے ہیں جو ہر بار جڑواں بچے دے۔

الغرض یہ مادہ جس شکل میں بھی موجود ہو اس میں میل ملاپ کا معنی ضرور پایا جاتا ہے چنانچہ صلوٰۃ کو اگر نماز کے معنی میں لیں تو یہ معنی وہاں بھی اپنی بہترین اور حسین

ترین صورت میں کار فرما نظر آتا ہے کیونکہ نمازی مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ جسمانی اجتماع کے علاوہ وہاں باطنی اجتماع بھی ہوتا ہے۔ نماز گزاروں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ظاہری اعضا پر خشوع طاری کر کے اپنے خیالات کو بھٹکنے نہ دیں اور جمعیتِ خاطر حاصل کریں۔ ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ نماز بہت سی برکات کی جامع ہے۔ **راس العبادات اور ام الطاعات** ہے۔ اسی لئے عبادات کی اس جامع صورت کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اگر صلوٰۃ کو دعا کے معنی میں لیں تو جمع کے معنی سے یہ صورت بھی خالی نہیں۔ دعا کرنے والا دین اور دنیا کی ظاہری اور باطنی ہر قسم کی نعمتیں سمیٹنا چاہتا ہے' آرزوؤں کی جو فہرست پڑھتا ہے اس میں خواہشات کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔

اس مفصل اور طویل لغوی تحقیق کی روشنی میں آیہ کریمہ میں موجود لفظ **یصلّون** کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک ﷺ کو قرب ووصال عطا کرتا رہتا ہے' اس نے دوریاں ختم کر دی ہوتی ہیں۔ ہجر اور جدائی کے روایتی تصورات مٹا دیئے ہوتے ہیں۔ محبوب کے ساتھ اس کا انوکھا اور خصوصی سلوک یہ ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں قرب کی مزید منزلیں طے نہ ہوتی ہوں۔ شب معراج اس نے **ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی** کے مطابق وہ قرب عطا کیا جس کی دنیائے عشق ومحبت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ وصل اور قرب کا یہ حسین تسلسل ختم نہیں ہوا بلکہ اب بھی جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا اس لئے قرب کی یہ منزلیں اسی طرح طے ہوتی رہیں گی۔

قرب اور وصل کی ایک اور ایمان افروز اور معنی خیز جھلک یہ ہے کہ اس نے قرآن پاک میں بڑے حسین پیرائے میں یہ بتا دیا کہ اس منزل عشق میں دو رضاؤں کا تصور بھی ختم ہو چکا ہے۔ جو اللہ کی رضا ہے وہی نبی کی رضا ہے۔ اس لئے جو انہیں راضی کرنا ہے تو یہ رضا انہی تک محدود نہیں رہتی بلکہ اللہ بھی اسی وقت راضی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس رضا کو ایک ہی ضمیر کے ساتھ بیان فرمایا:

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اور اللہ اور اس کا رسول (ﷺ)

(التوبۃ ۹ : ۶۲)

زیادہ حق دار ہے کہ وہ اس کو راضی
کریں۔

(ب) آگ کی حرارت اور تپش سے بانسوں کو سیدھا کرتے ہیں اس طرح ان کی کجی اور ٹیڑھا پن ختم ہو جاتا ہے اور بے ڈھنگا پن سیدھ میں بدل جاتا ہے اس عمل کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں چونکہ نمازی بھی نماز سے ظاہر و باطن کی تعدیل و اصلاح اور درستی چاہتا ہے اس لئے اس عمل یعنی نماز کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں۔

(ج) لفظ صلوٰۃ کا ایک معنی کمر، سرین اور کولہوں کو حرکت دینا بھی ہے چونکہ سجدہ اور رکوع کرتے وقت نمازی کے ان اعضا میں حرکت پیدا ہوتی ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اگر حرکت، سکون و وقار اور تعدیل کے ساتھ ہو تو خشوع کی علامت ہے، دعا کرنے والا بھی چونکہ خشوع سے کام لیتا ہے اس لئے اس عمل کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں۔

صلوٰۃ کے دیگر معانی

لفظ صلوٰۃ اپنے لغوی معنی سے نکل کر بہت پھیل گیا ہے اور بہت سے اصطلاحی معانی میں مستعمل ہے جو باقاعدہ مروج و متداول ہیں۔ ان میں سے چھ معانی بہت ہی مشہور ہیں۔

۱۔ دعا ۲۔ استغفار ۳۔ رحمت ۴۔ برکت
۵۔ قرأت ۶۔ اشاعت ذکر جمیل

صلوٰۃ بمعنی دعا

غزوۂ تبوک میں کچھ مسلمان شریک نہ ہو سکے بعد میں انہیں اپنی غلطی اور کوتاہی کا شدت سے احساس ہوا۔ انہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا کہ ہم اسی طرح بندھے رہیں گے تا آنکہ آقا ﷺ ہمیں بذات خود کھولیں، تب سمجھیں گے کہ خدا نے ہمیں معاف فرما دیا۔ کافی عرصہ کے بعد حضور ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھولا، وہ سجدۂ شکر بجالائے اور اپنے گھروں کا سارا اثاثہ

حاضر کر دیا کہ اس کی وجہ سے تعمیل ارشاد میں کوتاہی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اگر اللہ تعالیٰ حکم دے گا تو میں ان کا مال قبول کروں گا" اس موقعہ پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ" (التوبہ ۹:۹۹)

اور کچھ دیہاتی وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے قرب الٰہی اور رسول کریم ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں صلوات کا لفظ دعاؤں کے معنی میں آیا ہے اگلی آیت ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ ۹:۱۰۳)

تزکیہ و تطہیر کی خاطر آپ (ﷺ) ان کے مال میں سے صدقہ قبول فرمائیں اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائیں بے شک آپ ﷺ کی دعا ان کے لئے سکون قلب کا باعث ہے۔

اس آیت میں بھی صلوٰۃ کا لفظ دو جگہ دعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اذا دعی احدکم فلیجب فان کان صائما فلیصل

جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو قبول کرے اور اگر وہ روزے دار ہو تو دعوت دینے والے کے حق میں دعائے خیر کرے۔

اس میں بھی لفظ صلوٰۃ دعا کے معنی دے رہا ہے۔

(۲) صلوٰۃ بمعنی استغفار

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

انی بعثت الی اهل البقیع لاصلی علیهم	مجھے اہل بقیع کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ان کے لئے استغفار کروں

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

علی کل بِنْسیۃٍ من الانسان صلاۃٌ	انسان کے جسم کے ہر جوڑ بند پر استغفار لازم ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! یہ تو ہمیں بہت مشکل حکم دیا گیا ہے"۔

سرکار دوعالم ﷺ نے اسے یہ سمجھانے کے لئے کہ یہ حکم مشکل نہیں، فرمایا:

امرک بالمعروف صلوٰۃ ونہیک عن المنکر صلوٰۃ وکل خطوۃ الی الصلوٰۃ صلوٰۃ	تیرا نیکی کا حکم دینا بھی استغفار ہے برائی سے روکنا بھی استغفار ہے نماز کی طرف قدم بڑھانا بھی استغفار ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ہے:

کل عمل المومنین صلوٰۃ حتی اماطۃ الاذی عن الطریق صلوٰۃ	مومن کا ہر عمل ہی استغفار ہے یہاں تک کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی استغفار ہے۔

(۳) صلوٰۃ بمعنی رحمت

اس معنی کی رو سے یصلّون کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر مسلسل رحمتیں نازل فرماتا رہتا ہے غیر مختتم رحمتوں کے نزول کا سلسلہ اتنا قدیم ہے کہ اس نے انہیں پیکر رحمت بنا دیا ہے اور اسی غالب حیثیت میں مبعوث فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران، ۳:۱۵۹)	اللہ کی رحمت ہی کا اثر ہے کہ آپ (ﷺ) ان کے لئے بے حد نرم مزاج ہیں، اگر آپ (ﷺ) کرخت مزاج

اور سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ تتر بتر ہو جاتے۔

وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ (الانبیاء ۲۱:۱۰۷)

اور ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(۴) صلوٰۃ بمعنی برکت

ایک صحابی کا نام ابو اوفیٰ رضی اللہ عنہ تھا انہوں نے اپنا صدقہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا تو آپ ﷺ نے خوش ہو کر برکت کے لئے یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِی اَوْفٰی

اے اللہ! ابی اوفی کی آل کو برکت عطا فرما

(۵) صلوٰۃ بمعنی قرات

صلوٰۃ کا لفظ قرأت کے معنی میں بھی آیا ہے مثلاً مکہ مکرمہ میں نماز کے دوران حضور ﷺ کی قرأت قرآن سن کر کفار آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتے تھے اور دوران تلاوت خلل ڈالا کرتے تھے اس لئے حکم نازل ہوا:

وَلَا تَجْھَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِھَا (الاسراء ۱۷:۱۱۰)

اور اتنی بلند آواز سے قرأت نہ کیا کریں (کہ کافر لوگ سن کر گالیاں دینے لگیں) اور اتنی آہستہ بھی نہ کیا کریں (کہ اپنے مقتدی بھی نہ سن سکیں)

گویا مفہوم یہ نکلا کہ جہاں بیگانے ہوں اور کفر و نفاق کی گندگی میں لتھڑے ہوئے ہوں وہاں بلند آواز کے ساتھ صلوٰۃ سے احتراز کرنا چاہئے تاکہ وہ ناشائستہ الفاظ منہ سے نہ نکالنے لگ جائیں اور جہاں اپنے ہی ہمنوا اور ہم ذوق موجود ہوں وہاں آہستہ کی بجائے بلند آواز سے صلوٰۃ پڑھنی چاہئے تاکہ انہیں کیف و سرور حاصل ہو اور

وہ ایمان و روح کی تازگی محسوس کریں۔

اس تشریح سے اشارۃً یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ صلوٰۃ سے انہی دلوں میں کبیدگی تنگی اور چڑ پیدا ہوتی ہے جو نفاق و کدورت سے بھرے ہوئے ہوں وگرنہ جو ایمان و یقین سے مملو اور لبریز ہوتے ہیں انہیں صلوٰۃ نہ صرف خوشی بخشتی ہے بلکہ وہ دل کی تسکین بھی محسوس کرتے ہیں۔

(۶) صلوٰۃ بمعنی اشاعت ذکر جمیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآنی آیات کی روشنی میں صلوٰۃ کے معنی اشاعت ذکر جمیل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آیت صلوٰۃ میں جو **یُصَلُّوْنَ** کا لفظ آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے انتظامات و اسباب پیدا کرتا رہتا ہے جن سے حضور نبی کریم ﷺ کی لازوال اور بے مثل شانوں اور عظمتوں کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلتا رہے اور آباد کاران کائنات ہر دم نئی نئی خوبیوں سے آگاہ ہوتے رہیں اور کوئی لمحہ ایسا نہ گزرے جبکہ ان کی رفعتوں' اداؤں اور نرالے زاویوں سے ان کی مجتبائی شانوں کا ذکر نہ ہو رہا ہو۔

مندرجہ بالا آیات میں انہی نظر نہ آنے والے اسباب و انتظامات کا ذکر ہے جو کارکنان قضا و قدر کے غیر مرئی ہاتھوں سے تکمیل پذیر ہوتے رہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں سرکار دو عالم' محبوب معظم' نور مجسم' پیکر رحمت ﷺ کے محبوبانہ منصب کے ایسے مخفی گوشے نمایاں ہوتے رہتے ہیں جو پہلے اس شان سے عیاں نہیں ہوتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الانشرح' ۹۴: ۴)

اور ہم نے آپ (ﷺ) کے لئے آپ (ﷺ) کے ذکر کو بلند کر دیا۔

مفہوم آیت صلوٰۃ

صلوٰۃ کے مندرجہ بالا تمام معانی کو سامنے رکھا جائے تو ایک خاص قاعدہ کلیہ مستنبط ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ

۱۔ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے، عظمتیں اور برکتیں عطا کرتا ہے یا اشاعت ذکر جمیل فرماتا ہے۔

۲۔ جب صلوٰۃ کی نسبت انسان کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب رکوع و سجود کرنا، نماز پڑھنا، درود و سلام پیش کرنا اور دعا و مناجات کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ جب صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ملائکہ درود و سلام پیش کرتے ہیں، دعا و استغفار کرتے ہیں۔

۴۔ جب اس کی نسبت عناصر کائنات کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ اشیاء تسبیح پڑھتی ہیں:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ

(الاسراء، ۱۷: ۴۴)

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ — اور ہر ایک کو اس کی تسبیح کا علم بھی ہے۔

(النور، ۲۴: ۴۱)

اب اس شرح و وضاحت اور قاعدہ کلیہ کی روشنی میں آیت صلوٰۃ میں موجود لفظ یُصَلُّوْنَ کا اللہ کی نسبت سے اور ملائکہ کی نسبت سے الگ الگ معنی لیا جائے گا یعنی اعجاز و ایجاز قرآنی کی بدولت ایک ہی لفظ محض نسبتوں کے فرق سے دو معانی ادا کرے گا جو اہل علم کے ذہنوں میں بالکل واضح ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کریں گے تو معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور جب فرشتوں کی طرف نسبت کریں گے تو معنی ہو گا فرشتے درود و سلام پیش کرتے ہیں اور جب اگلی آیت میں بندوں کو خطاب ہو گا کہ تم بھی صلوٰۃ بھیجو تو بندوں کی نسبت سے اس کا معنی ہو گا درود و سلام پیش کرو۔

(۲) سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اس آیت میں دوسرا غور طلب لفظ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ہے۔

تسلیم مصدر ہے جو یہاں حالت نصبی میں مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے کلام میں مفعول مطلق کا مفاد یہ ہوتا ہے کہ وہ اس میں شدت و تاکید' زور اور کثرت کے معنی پیدا کر دیتا ہے یہاں بھی اس نے کلام میں دو خوبیاں پیدا کر دی ہیں۔

۱۔ پہلی یہ کہ "اے مومنو! اپنے نبی ﷺ کی ذات پر کثرت سے درود بھیجو" یہ نہیں کہ دل میں آیا تو پڑھ لیا ورنہ بیٹھے رہے' بلکہ خود کو اس عمل کے لئے وقف کر دو۔ تمہارا اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا بھی اسی پاکیزہ عمل کی نذر ہو جائے اور تم ہر حالت میں درود خواں ہی نظر آؤ۔ دیکھنے والا کہے کہ اپنے نبی ﷺ کا دیوانہ ہے جسے تصور محبوب ﷺ میں اپنا بھی ہوش نہیں بس انہی کا نام لئے جا رہا ہے۔

۲۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ "اے مومنو! اپنی حیثیت ملحوظ رکھ کر اس طرح درود پاک پڑھو جس طرح پڑھنے کا حق ہے" یعنی تم میرے محبوب کی بارگاہ ناز کے نیاز مند غلام ہو' وہ تمہارے سرفراز آقا ﷺ ہیں' تمہارے مالک اور مولا ہیں' اس لئے سلام نیاز اور درود پیش کرتے وقت ایک عاجز و مسکین غلام کی حیثیت اختیار کر لو اور ایسی ہیئت بنا لو جو بے دام غلام اور عاشق صادق کی ہوتی ہے اور انہیں شاہانہ انداز سے اپنے سامنے موجود سمجھو گویا وہ جاہ و جلال کے ساتھ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہیں اور تمہیں محبت و پیار سے تک رہے ہیں اور زیر لب تبسم کے ساتھ اظہار خوشی فرما رہے ہیں۔

اس تصور کے ساتھ جب تم درود و سلام پیش کرو گے تو پھر یہ اس طرح پیش ہو گا جس طرح پیش ہونے کا حق ہے۔

(۳) النبی

اس آیت کریمہ میں تیسرا غور طلب لفظ النبی ہے۔ یہ علم الصرف کے حوالے سے مہموز بھی ہو سکتا ہے اور ناقص بھی' دونوں صورتوں میں فعل کا مادہ و معنی

اس مشتق لفظ میں موجود رہتا ہے۔

(الف) اگر اس لفظ کو مہموز تسلیم کریں اور نباءٌ سے مشتق مانیں تو اس کا مطلب ہو گا۔ فائق و برتر، اعلیٰ اور بلند ہونا، اس اعتبار سے نبی کا معنی ہو گا ایسی ہستی جس کی روحانی رفعت و بلندی کا اندازہ ہی نہ لگایا جا سکے۔ مطلقاً بلند ترین مقام کو بھی لغوی اعتبار سے نبی کہتے ہیں۔ چونکہ دور سے اگر اونچا مقام دکھائی دے رہا ہو تو مسافروں کے لئے بھٹکنے اور راستہ بھولنے کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں، اس لئے ایسا نبی یعنی مکان مرتفع، صراط مستقیم کا کام کرتا ہے، اسی پس منظر میں نبی کا ایک معنی صراط مستقیم بھی ہے۔ اس لغوی معنی کی روشنی میں آیت کریمہ **اھدنا الصراط المستقیم** کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ ہمیں نبی کا راستہ دکھا جو سراپا صراط مستقیم اور پیکر ہدایت ہے۔

جب یہ لفظ فعل "نَبَأٌ" سے مشتق ہو تو اس کا معنی خبر دینا، ہجرت کرنا اور قوم کے پاس آنا بھی ہے۔ اس لحاظ سے نبی کا معنی ہو گا خبر دینے والی، ہجرت کرنے والی اور قوم کے پاس آنے والی ہستی اور یہ معنی بالکل واضح ہیں۔ جس کی شرح و وضاحت کی بھی ضرورت نہیں۔ لفظ نبی، فعیل کے وزن پر ہے۔ عربی زبان میں فعیل بمعنی فاعل بھی آتا ہے۔ اس صورت میں نبی کا مطلب ہو گا خبر دینے والا۔

محققین فرماتے ہیں، مبعوث ہستی کو نبی اس لئے کہتے ہیں۔

لانہ ینبئی الخلق کیونکہ وہ لوگوں کو خبر دیتا ہے۔

اسی حوالے سے نُبُوءَۃٌ اور نُبُوَّۃٌ کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:۔

الاخبار عن الغیب او المستقبل بالھام من اللہ یعنی عطائے الٰہی اور الہام ربانی کی بدولت غیب یا مستقبل کی خبر دینا۔

علماء کے ہاں اس کی مزید وضاحت یوں بیان ہوئی ہے۔

الاخبار عن اللہ و ما یتعلق بہ بمعنی اخبار عما یستحقہ الرب سبحانہ و تعالیٰ من صفات الجمال و نعوت الکمال نبوت کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی خبر دینا، یعنی اس کی صفات جمال و کمال سے بندوں کو آگاہ کرنا۔

لفظ نبی کی وزن کی رو سے، دوسری تشریح یوں ہے کہ فعیل بمعنی مفعول بھی آتا ہے اس تحقیق کی روشنی میں، نبی کا مطلب ہوگا، ایک ایسی ہستی، جس کے جاہ جلال اور مقام و مرتبہ سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہو۔

حضور سید عالم ﷺ کے مقام و منصب کی خبریوں دی گئی ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (المائدہ، ۵:۱۵)	بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آگیا۔
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء، ۴:۱۷۴)	اے لوگو! تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک برھان اور دلیل آگئی۔

(ب) اگر اس لفظ کو مہموز کی بجائے ناقص سے مشتق تسلیم کریں تو اس کا مطلب ہوگا دور رس نگاہ کی مالک ہستی جو زمان و مکاں سے ماورا، دور کی ایسی چیزوں کو دیکھے جسے عام نگاہ نہ دیکھ سکتی ہو۔ کیونکہ نَبَا یَنْبُوْ نَبْوَۃً نگاہ کا دور تک جانا یعنی دور بینی اور تیزی نظر کی صفت سے متصف ہونا۔

اس لغوی معنی کی رو سے بھی یہ ایک ایسی ہستی قرار پائے گا جس کی نگاہوں سے اسرار کائنات مخفی نہ ہوں اور حقائق کے مشاہدے تک اس کی رسائی ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نبی ایسا ہی ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام

آیت صلوٰۃ کا مضمون و خطاب اور اس کا انداز ترغیب واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ بارگاہ نبوت میں درود و سلام اور صلوٰۃ و رحمت کا نذرانہ ایک غیر معمولی اور بڑا ہی اہتمام بالشان عمل ہے۔ کسی بھی اعتبار سے اس عمل سے پہلو تہی مناسب اور مومن کی شان کے لائق نہیں بلکہ محرومی کی دلیل ہے۔ اس لئے یہ سوچنا کہ درود پہنچتا ہے یا نہیں؟ خود پہنچتا ہے یا فرشتے لے جاتے ہیں؟ یہ سب جھگڑے کی باتیں ہیں اور عمل سعید سے باز رہنے کی صورتیں ہیں۔ سو ان میں الجھنا مومنوں کے لائق نہیں، تسکین

دل کے لئے یہ سوچ لینا ہی کافی ہے کہ اس نے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر پہنچتا نہیں تو حکم ہی کیوں دیا؟ حکم کا مل جانا ہی پہنچنے کی دلیل ہے۔ اس لئے پہنچے یا نہ پہنچے کا درد سر مول لینا اہل ایمان کا کام نہیں' شیطانی کام ہے جو اس وسوسے کے ذریعے اس عمل مبارک سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ اس بارے میں اطمینان کی خاطر یہی تصور کافی ہے کہ اگر فرشتے لے جاتے ہیں تو حق غلامی ادا کرتے ہیں اور خود پہنچتا ہے تو یہ حضور ﷺ کے ان وہبی کمالات میں سے ہے جو اللہ پاک نے بطور خاص عطا فرمائے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ